شکوۂ ہند

جس میں

شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

نے

اُس عبرت انگیز انقلاب کا بیان تفصیل کے ساتھ کیا ہے جو
سرچشمۂ اسلام سے جُدا ہو کر ہندوستان میں آنے اور یہیں سکُونت
اختیار کر لینے سے مُسلمانوں کی حالت میں ہوا مع عرضِ حال بجناب
سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ اکمل التحیات

جسکو

ایس-ایم حمید منیجر "پنجاب نیشنل ایجنسی"

نے

مُصنّف کی اجازت سے

حالی پریس پانی پت میں طبع کرایا

مُصنّفہٗ

شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

بندِ اوّل

رخصت اے ہندوستاں اے بوستانِ بے خزاں!
آج گو شکووں سے ہیں لبریز ہم اے خاکِ ہند!
تو نے بیگانوں کی خاطر کی یگانوں سے سوا
تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیے دل سے بھلا
یاد کچھ جیحوں رہا ہم کو نہ دجلہ اور فرات
تیرے کاشی کی کشش نے کر دیے ہم سے جدا
تیرے ذوقِ نیشکر نے کر دیے سب دل سے محو

رہ چکے تیرے بہت دن ہم بدیسی میہماں
ہیں مگر احسان اگلے تیرے سب خاطر نشاں
میہماں تھے پر بنایا تو نے ہم کو میزباں
شعبِ بوّان و سمرقند و دمشق و اصفہاں
تیرے گنگا جل نے جب سے تر کئے کام و زباں
یثرب و بطحا و صنعا و زبید و نہرواں
بصرہ و طایف کے نارستان اور خرماستان

فصلِ گُل میں دیکھ کر جوبن نہایت دلکا تیرے
تیرے سرسبز پہاڑوں نے دیا جی سے اُتار
دعوتیں بھُولیں سمرقندی و شیرازی تمام

مُرغزارِ شیراز کے بھُولے چمن اور گلستاں
نہرِ رُکنی اور گلگشتِ مصلّےٰ کا سماں
اِس قدر الوانِ نعمت کے لگائے تونے خواں

نقش ہیں دل پر ہمارے سب مُداراتیں تیری
ہم نہ بھُولیں گے کبھی دن تیرے اور راتیں تیری

بندِ دوم

تھی ہماری قوم و ملّت رسم و عادت سب جُدا
بول چال اپنی الگ تھی اور زبان تیری الگ
ہم میں اے ہندوستاں گو بوئے جنسیت نہ تھی
تونے سونپی مُہرِ دولت ہم کو اور طبل و نشاں
تونے ثروت دی حکومت دی ریاستیں دی ہمیں
نِبھ سکیں لیکن نہ آخر تک یہ خاطرداریاں
خیر - اپنے مال کا تو ہر طرح تھا اختیار
کھینچ لیں اپنی اُسی دم اُٹھکے گُدی سے زباں
پر گلا یہ ہے کہ جو کچھ اپنا ہم لائے تھے ساتھ
آدمیّت کے تھے جو ہر جو ہمارے ذات میں

رشتہ و پیوند کوئی ہم میں اور تجھ میں نہ تھا
تُجھ سے ہم تھے اجنبی اور ہم سے تو نا آشنا
تُو نے لیکن اپنی آنکھوں پر لیا ہم کو بٹھا
تو نے بخشے قصر و ایواں ہمکو اور بُستاں سرا
شُکر کس کس مہربانی کا کریں تیری ادا
جو دیا تھا تُو نے وہ آخر کو سب رکھوالیا
جس سے چاہا لے لیا اور جس کو چاہا دیدیا
بھُول کر بھی گر زباں پر اس کا آجائے گلا
وہ بھی تونے ہم سے لیکر کر دیا بالکل گدا
خاک میں آخر دیئے اے ہند سب تو نے ملا

یاد ہو گا تجھکو یاں آئے تھے ہم کس شان سے
تجھکو سوگند اپنے ست جُگ کی بتا ایمان سے

بندِ سوم

تُرکمانی صَولت اور مُغلی جلادت ہم میں تھی
ہاشمی آداب و عبّاسی فضایل ہم میں تھے
ضربِ کرّاری و حربِ خالدی رکھتے تھے ہم
عِرقِ غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال

عزمِ کُردی ہم میں تھا بڑی حمیّت ہم میں تھی
نطقِ اعرابی و عدنانی فصاحت ہم میں تھی
سطوتِ حمزی و فاروقی جلالت ہم میں تھی
جھپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

آج خاور تھا مقام اپنا توکل تھا باختر
عیش و عشرت کی نہ فرصت تھی نہ عادت ہم میں تھی

ننگ تھا ہم کو مشقت سے نہ مزدوری سے عار
جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں تھی

ہم شُتربانی سے پہنچے تھے جہانبانی تلک
اِس لئے باقی شُتربانوں کی خصلت ہم میں تھی

جو نشاں اقبالمندی کے ہیں وہ سب ہم میں تھے
حُبِّ دینی ہم میں تھا قومی مروّت ہم میں تھی

گھر ہمارے اور ہم سب وقف مہمانوں پہ تھے
نیز بی مہماں نوازی و ضیافت ہم میں تھی

پھوٹ سے واقف نہ تھے ہم تیری اے ہندوستاں!
احمدی اخلاق و اسلامی اُخوت ہم میں تھی

چھین لی سب ہم سے یاں شانِ عرب آنِ عجم
تو نے اے غارت گرِ اقوام و اکّال الاُمم!

بندِ چہارم

آئے تھے اے ہند یاں ایسے ہی ہم زار و نزار
ہے عرب کو جن سے ننگ اور ہے عجم کو جن سے عار

ہم اُنھیں اسلاف کے معلوم ہوتے ہیں خلَف
جن کی تھی محکوم نسلِ رستم و اسفندیار؟

ہم اُنھیں باپوں کے بیٹے تجھ کو آتے ہیں نظر
جن کی جولانگاہ تھی تاتار سے تا زنجبار؟

ہیں ہمیں اے آریاورت! اُن سواروں کے سپوت
جن کی دوڑوں سے ہیں واقف تیرے دشت اور کوہسار؟

ہم سدا سے خاکسار ایسے ہی تھے اے خاکِ ہند؟
اُڑتی پھرتی تھی زمانے میں یہی مشتِ غبار؟

تھیں یہی شکلیں ہماری تھا یہی رنگ اور روپ؟
تھی یہی سیرت ہماری تھا یہی اپنا شعار؟

گر سلف دیکھیں ہمارے زندہ ہو کر اب ہمیں
آئے نسبت اور قرابت سے ہماری اُن کو عار

سیرتیں تو نے بدل دیں مسخ کر دیں صورتیں
آبرو تو نے ڈبو دی کھو دیا تو نے وقار

کر دیا شیروں کو تو نے گوسفند اے خاکِ ہند!
جو شکار افگن تھے آکر ہو گئے یاں خود شکار

نکبتیں یہ سب جبھی سے ہم کو آتی تھیں نظر
آئے تھے یاں جبکہ اپنا چھوڑ کر ملک و دیار

تھا یقیں ہم کو کہ شامت رفتہ رفتہ آئے گی
ہم کو تو اے خاکِ ہند آخر یونہیں کھا جائیگی

بندِ پنجم

دیکھتے ہیں اب یہی آنکھوں سے صبح و شام ہم
جو مداراتوں کا سمجھے تھے تری انجام ہم

توڑ ڈالے جلد تو نے عہد اور پیمان سب
دیر تک رہتا ہے جو مہماں نہیں رہتا عزیز
عیب جو دنیا میں ہیں وہ ہمپہ چھپ جاتے ہیں سب
سب کو ہو جاتا ہے ناکامی کا پہلے ہی یقیں
تو نے دیکھا تھا کبھی اسلامیوں کا حال یہ؟
بس زیادہ پینے سے اپنے کیا حاصل تجھے
شکوہ قسمت کا ہے جو یاں کھینچکر لائی ہمیں
پھر گئی سرحد سے تیری فوجِ یوناں جس طرح
رہتے قانع اپنی محنت اور مزدوری پہ کاش

بیوفا سنتے تھے سچ اے ہند تیرا نام ہم
سنتے ہیں دیوار و در سے تیرے یہ پیغام ہم
کیا زمانے میں ہمیشہ تھے یونہیں بدنام ہم
اٹھتے ہیں کرنے کو جب ہمت کا کوئی کام ہم
کیا عرب سے لیکے نکلے تھے یہی اسلام ہم؟
پس چکے اے آسیائے گردشِ ایام ہم
تجھ کو اے ہندوستاں کس منہ سے دیں الزام ہم
کاش پھر جاتے یونہیں در سے ترے ناکام ہم
آکے یاں پاتے نہ ذوقِ راحت و آرام ہم

دشمن اپنا ہو گیا سودائے مال و جاہ حیف
حرص نے طعمہ کی شیروں کو کیا روباہ حیف

بندِ ششم

وہ مسلمانوں کی ہر بازی میں سبقت کیا ہوئی؟
ہم مسلمانوں سے ہے اے ہند ننگ اسلام کو
جی کسی کی عزت افزائی سے خوش ہوتا نہیں
دین و دولت علم و دانش ہم میں کچھ باقی نہیں
ملک و مال و سلطنت اک آنی جانی چیز تھی
قریہ قریہ تیرے علم و فضل سے معمور تھا
جس نے مغرب کو کیا مشرق وہ سورج کیا ہوا؟
کوہ و دریا جن کے ہوتے تھے نہ ہرگز سدِّ راہ
کوئی مشکل ہمکو میداں سے ہٹا سکتی نہ تھی
ہو گئی اے ہندوستاں آمد ہماری تجھ کو یاد

وہ حجازی غیرت اور ملی حمیت کیا ہوئی؟
تھا لقب خیر الامم جس کا وہ امت کیا ہوئی؟
دل گواہی جس پہ دیتا تھا وہ عزت کیا ہوئی؟
حق نے پوری کی تھی جو ہمپر وہ نعمت کیا ہوئی؟
جو ہمیشہ رہنے والی تھی وہ دولت کیا ہوئی؟
اب وہ اے اسلام تیری خیر و برکت کیا ہوئی؟
جس سے گھر گھر بن گیا یوناں وہ حکمت کیا ہوئی؟
وہ ارادے کیا ہوئے اور وہ عزیمت کیا ہوئی؟
وہ ثبات اور پائداری اور وہ ہمت کیا ہوئی؟
وہ مسلمانوں کی ہیبت اور وہ صولت کیا ہوئی؟

وہ بر و دوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے؟
وہ قد و بالا وہ چہرے ارغوانی کیا ہوئے؟

بندِ ہفتم

خصائص اہلِ اسلام

جب تک اے ہندوستاں ہندی نہ کہلاتے تھے ہم — کچھ ادائیں آپ میں سب سے جدا پاتے تھے ہم
اپنی خود کرتے تھے عزت گر نہ کرتا تھا کوئی — سر ہر اک فرعون کے آگے نہ نہوڑاتے تھے ہم
حاجتیں ہوتی تھیں جو اپنی روا کرتے تھے آپ — ہاتھ آگے میر و سلطاں کے نہ پھیلاتے تھے ہم
تھے اُسے نعمائے سُلطانی سے بہتر جانتے — اپنی محنت سے اگر نانِ جویں کھاتے تھے ہم
تھے نہ کرگس اور زغن کی طرح ہم مُردار خوار — تھا وہی قوت اپنا جو خود مار کر لاتے تھے ہم

غیرت و حمیت

تھی اُولُوالعزمی و ہمت اپنی مفتاحِ ظفر — چار سُو راہیں معیشت کی کھُلی پاتے تھے ہم
جب کبھی جس کام کی خاطر جدھر مُنہ اُٹھ گیا — پھر پلٹ کر واں سے خالی ہاتھ کم آتے تھے ہم
جی چُراتے تھے نہ مکروہاتِ عالم سے کبھی — اور خلافِ چرخِ دوراں سے نہ گھبراتے تھے ہم
اسپِ تازی کی طرح تھی قومِ تازی بھی غیور — جب کوئی بڑھتا تھا ہم سے تلملا جاتے تھے ہم
سب حمیت کو ہماری اک زمانہ جانتا — سرد ہو جاتے تھے سب جس وقت گرماتے تھے ہم

حال اپنا سخت عبرت ناک تو نے کر دیا
آگ تھے اے ہند ہم کو خاک تو نے کر دیا

بندِ ہشتم

خدمتِ مہمان و ہمسایہ

کھا کے نعمت دل ہمارا شادماں ہوتا نہ تھا — ساتھ دسترخوان پر گر میہماں ہوتا نہ تھا
کرتے تھے مہماں ہمارے ماحضر پر اکتفا — تنگدل مہماں سے کوئی میزباں ہوتا نہ تھا
ہمکو پہنچی تھی خلیل اللہ سے خواں گستری — عسرت اور تنگی میں بھی سمٹا اپنا خواں ہوتا نہ تھا
رکھتے تھے بچوں کو بھوکا اپنے مہماں کے لئے — خرچ سے گھر کے سوا کھانا جہاں ہوتا نہ تھا
تھا مسافر کے لئے ایک ایک گھر مہماں سرا — ہمکو کچھ غربت میں فکرِ آب و ناں ہوتا نہ تھا
میہمانوں کو تھے اپنے گھر کی برکت جانتے — ٹھیرنا مہمان کا برسوں گراں ہوتا نہ تھا
جانتے تھے ہم کہ ہے اُس پر خدا نامہرباں — جو کہ ہمسائے پہ اپنے مہرباں ہوتا نہ تھا
ہم ہر اک آفت میں ہمسایوں کے رہتے تھے سپر — دشمنوں سے اپنے اُنکو خوفِ جاں ہوتا نہ تھا

چُپکے چُپکے حاجتیں کرتے تھے سب اپنی روا
پیٹ بھر لیں آپ اور ہمسایہ فاقہ سے رہے
فقر و فاقہ اُن کا خلقت پر عیاں ہوتا نہ تھا
اتفاق آگے یہ اے ہندستاں ہوتا نہ تھا

یوں نہ ہمجنسوں سے کرتی تھیں یہ آنکھیں چوریاں
تُو نے اپنی سی سکھائیں ہم کو تنہا خوریاں

بند نہم

جس سے کرتے تھے محبت بے ریا کرتے تھے ہم
شکوہ ہوتا تھا تو اکثر منہ پہ کہہ دیتے تھے ہم
دوست بنجاتے تھے جس کے اُس سے کرتے تھے نباہ
جنکے ہو جاتے تھے ساتھی اُن کا ہم دیتے تھے ساتھ
کرتے تھے عسرت میں اُن کے واسطے فکرِ معاش
کام میں یاروں کے اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ
یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب
سُنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد
دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہم کو دوست
آج وہ کام آئے اپنے کل ہم اُن کے آئے کام

جس سے ہوتی تھی شکایت برملا کرتے تھے ہم
شکر کرتے تھے تو غیبت میں سوا کرتے تھے ہم
عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم
رنج و راحت میں شریک اُن کے رہا کرتے تھے ہم
اُن کی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم
اس میں روزہ اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم
یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم
اُن کی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم
ٹوک دیتے تھے ہمیں جب کچھ خطا کرتے تھے ہم
بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم

تو نے اے ہندستاں کھوئیں کہاں وہ یاریاں
یاریاں ہم میں ہیں باقی نہ وہ غمخواریاں

بند دہم

تیرے سایہ سے رہے اے ہند جبتک دُور ہم
مل گیا جو ہم میں آکر پھر نہ تھے ہم پوچھتے
ملتِ بیضا نے تو تو کی مٹا دی تھی تمیز
ایک رنگت میں اُخوت کی تھی سب رنگے ہوئے
زنگی و خوارزمی و تاتاری و مازندری

اپنی یکرنگی رہی ضرب المثل بین الامم
رُوم ہے یا ترک ارمن ہو عرب ہو یا عجم
تھے بلال و جعفر و سلماں برابر محترم
اسود و احمر تھے جو اسلام کے زیرِ علم
ایک دسترخوان پر کھاتے تھے سب ملکر بہم

گو سدا آپس میں لڑتے اور جھگڑتے تھے مگر — وقت جب پڑتا تھا آکر ایک ہو جاتے تھے ہم
فرق رکھتا تھا کہ و مہ میں نہ کچھ اسلام نے — تھے برابر نفقہ و کسوت میں آقا اور خدم
حق خلیفہ کا نہ تھا اُس میں رعیت سے سوا — جمع بیت المال میں ہوتی تھی جو آکر رقم
ٹوک دیتا تھا سرِ دربار بڑھ کر اک غلام — گر کہیں بے راہ اُٹھ جاتا تھا حاکم کا قدم
شوکتِ دیں کے سوا شوکت نہ تھی کوئی پسند — ملکِ جم لیکر نہ پاس آتا تھا اپنے کبرِ جم

صحبتوں میں تکیہ و مسند کا آئیں کچھ نہ تھا
مجلسوں میں امتیازِ صدر و پائیں کچھ نہ تھا

بندِ یازدہم

راستبازی و صدقِ عہد

راستبازی میں ہماری لوگ دیتے تھے نظیر — فرد تھے پاسِ سخن میں قوم کے برنا و پیر
دوست دشمن کو ہمارے قول پر تھا اعتماد — دے چکے جب ہم زباں پھر تھی وہ پتھر کی لکیر
تھے ثقہ بھی ہم میں بد اطوار بھی اوباش بھی — تھا سخن کا اپنے لیکن پاس سب کو ناگزیر
کوئی بدعہدی سے بڑھکر تھا نہ عیب اُنکے لیے — حق جنھیں کرتا تھا ہم میں وارثِ تاج و سریر
جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے راستباز — پاسبانوں میں نہیں پاتے ہم آج اُن کی نظیر
دل میں کچھ ہو اور زباں پر کچھ یہ خاصیت نہ تھی — خاک میں اُس سرزمیں کی جس سے تھا اپنا خمیر
جنگ تھی تو برملا تھی صلح تھی تو بے ریا — ہم کو زہر آتا نہ تھا دینا بنا کر جامِ شیر
مُنہ سے جو کہہ بیٹھتے تھے کر دکھاتے تھے وہی — ہے گرج کر پھر برستا جس طرح ابرِ مطیر
چھپتا نہیں ہم جاکے تو اوروں کی کہہ آتے تھے حق — غالب آتا تھا نہ ہم پر خوفِ سلطان و امیر
پر بنایا جب سے ہم نے ملجا و ماویٰ تجھے — راستبازی ہو گئی اے ہند ہم سے گوشہ گیر

کر دیے تو نے تمام اسلام کے ارکان سست
ہو گئے بودے ہمارے عہد و پیمان سست

بندِ دوازدہم

شرق سے تا غرب جب عالم میں تھا قحط الرجال — تھی ہماری قوم میں ارزانیٔ اہلِ کمال
علم و حکمت نے ہماری آن کر لی تھی پناہ — روم اور یونان پر جب چھا گیا جہل و ضلال

جاہلوں کا تھا ہماری قوم میں گھاٹا یونہیں
جیسے اب لکھے پڑھے ہیں ہم میں خال خال

منع۔ استدلال۔ یا توجیہ۔ یا تحقیقِ حق
تھی یہی اکثر ہماری مجلسوں میں قیل و قال

ترک میں وحشت رہی تھی اور نہ جہلِ اعراب میں
دینِ بیضا نے دیا تھا آکے کانٹا سا نکال

علم بھی جاتا تھا جاتے تھے جہاں ہم ساتھ ساتھ
علم نے اسلام سے باندھا تھا پیمانِ وصال

سیم و زر کم چھوڑ کر جاتے تھے ہم میراث میں
تھی کتاب اپنی بضاعت اور ادب تھا اپنا مال

خلق کرتی تھی ہماری ریس رسم و راہ میں
کر دیا تھا علم نے سب کے لئے ہم کو مثال

آج جس علم و ہنر سے ہے چراغاں بزمِ دہر
ہم نے بنیاد اُسکی دی تھی بیشتر دنیا میں ڈال

تھی ہماری دولت سے ہندوستاں فضل و ہنر
آگیا پر تیری بدولت اپنی دولت کو زوال

ہم کو ہر جوہر سے یوں بالکل معرّا کر دیا
تو نے اے آب و ہوائے ہند یہ کیا کر دیا

بندِ سیزدہم

ہم نے یہ مانا کہ جب گلشن میں ہو فصلِ خزاں
بے محل ہے چھیڑنی واں عہدِ گل کی داستاں

ہو خلف پر ابر جب چھایا ہوا ادبار کا
پھر سلف کی شان و شوکت کیجئے کس منہ سے بیاں

ہیں یہ باتیں بھول جانے کی مگر کیونکر کوئی
بھول جائے رات کا سب صبح ہوتے ہی سماں

بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گزری بہت
اُٹھ رہا ہے گل سے شمعِ بزم کے اب تک دھواں

کہہ رہے ہیں نقشِ پائے رہرواں اے خاکِ ہند!
یاں سے گزرا ہے ابھی اِک باتجمل کارواں

گو یقیں ہے۔ رفتہ رفتہ یادِ ایامِ سلف
دل سے چھوڑے گی مٹا کر گردشِ دورِ زماں

بھول جائیں گے کہ تھے کن ڈالیوں کے ہم ثمر
ٹوٹ کر آئے کہاں سے اور بکے آکر کہاں

پر زمانے میں رہیں گے تا قیامت یادگار
جو کیے برتاؤ تو نے ہم سے اے ہندوستاں!

ماجرا ہوگا ہمارا عبرت اوروں کیلئے
جیت جائیں گے بہت سن کر ہماری داستاں

سانپ سے جس طرح رہتا ہے سپیرا دور دور
حکمراں تیرے یونہیں تجھسے رہینگے برگراں

برکتیں ڈالیں چھوڑ کر ہم اپنی جائیں گے بہت
ہم نہوں گے پر نتیجے ہم سے پائیں گے بہت

عرضِ حال

بجنابِ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ
خود آج وہ مہمانِ سرائے فقرا ہے

وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں
اب اُس کی مجالس میں نہ بتّی نہ دیا ہے

جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں
اب اُس کا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے
اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اُس میں بپا ہے

جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر غنا بھی
اُس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے

جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکما کی
وہ عرصۂ تیغِ جہلا و سفہا ہے

جس دین کی حجّت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اُس دین پہ ہر ہرزہ درا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی
دینداروں میں پر آب ہی باقی نہ صفا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

یاں راگ ہے دن رات تو واں رنگ شب و روز
یہ مجلسِ اعیاں ہے وہ بزمِ شرفا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبّت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

دولت ہے نہ عزّت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

ہے دین کی دولت سے بہا علم سے رونق
بے دولت و علم اُس میں نہ رونق نہ بہا ہے

شاہد ہے اگر دین تو علم اُس کا ہے زیور
زیور ہے اگر علم تو مال اُس کی جلا ہے

جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت
اُس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مِٹ جائے نہ آخر
مدت سے اِسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

جس قصر کا تھا سر بفلک گنبدِ اقبال
ادبار کی اب گونج رہی اُس میں صدا ہے

بیڑا تھا نہ جو بادِ مخالف سے خبردار
جو چلتی ہے اب چلتی خلاف اُس کے ہوا ہے

وہ روشنیِ بام و درِ کشورِ اسلام
یاد آج تلک جس کی زمانے کو ضیا ہے

روشن نظر آتا نہیں واں کوئی چراغ آج
بجھنے کو ہے اب گر کوئی بجھنے سے بچا ہے

عشرت کدے آباد تھے جس قوم کے ہر سو
اُس قوم کا ایک ایک گھر اب بزمِ عزا ہے

چاؤش تھے للکارتے جن رہگزروں میں
دن رات بلند اُن میں فقیروں کی صدا ہے

وہ قوم کہ آفاق میں جو سر بفلک تھی
وہ یاد میں اسلاف کی اب رُو بقفا ہے

جو قوم کہ مالک تھی علوم اور حِکَم کی
اب علم کا واں نام نہ حکمت کا پتا ہے

کھوج اُن کے کمالات کا لگتا ہے اب اتنا
گم دشت میں اک قافلہ بے طبل و درا ہے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اِس سے یہ ظاہر کہ یہی حکمِ قضا ہے

تھی آس تو تھا خوف بھی ہمراہ رجا کے
اب خوف ہے مدت سے دلوں میں نہ رجا ہے

جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت
شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گِلا ہے

دیکھے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کی بدولت
سچ ہے کہ بُرے کام کا انجام بُرا ہے

کی زیبِ بدن سب نے ہے پوشاک کتاں کی
اور برف میں ڈوبی ہوئی کشور کی ہوا ہے

درکار ہے یاں معرکہ میں جوشنِ خفتاں
اور دوش پہ یاروں کے وہی کہنہ ردا ہے

دریائے پُر آشوب ہے اک راہ میں حائل
اور بیٹھ کے گھڑ ناؤ پہ یاں قصدِ شنا ہے

ملتی نہیں اک بوند بھی پانی کی جہاں مفت
واں قافلہ سب گھر سے تہی دست چلا ہے

یاں نکلے ہیں سودے کو درم لیکے پُرانے
اور سکہ رواں شہر میں مدت سے نیا ہے

فریاد ہے اے کشتیِ اُمت کے نگہباں!
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اے چشمۂ رحمت بابی انت و امی
دُنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا
جب تو نے کیا نیک سلوک اُن سے کیا ہے

صدمہ دُرِ دنداں کو ترے جن سے کہ پہنچا
کی اُن کے لیے تو نے بھلائی کی دعا ہے

کی تو نے خطا عفو ہے اُن کینہ کشوں کی
کھانے میں جنھوں نے کہ تجھے زہر دیا ہے

سو بار ترا دیکھ کے عفو اور ترحّم
ہر باغی و سرکش کا سر آخر کو جھکا ہے

جو بے ادبی کرتے تھے اشعار میں تیری
منقول اُنھیں سے تری پھر مدح و ثنا ہے

برتاؤ ترے جب کہ یہ اعدا سے ہیں اپنے
اعدا سے غلاموں کو تجھے اُمید سوا ہے

کر حق سے دعا اُمّتِ مرحوم کے حق میں
خطرہ دل میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے

اُمّت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن
دلدادہ ترا ایک سے ایک اُن میں سوا ہے

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدہ میں ہمارے
وہ تیری محبت تری عترت کی ولا ہے

ہر حیثیتِ بلشِ دہسرِ مخالف میں ترا نام
ہتھیار جوانوں کا ہے پیروں کا عصا ہے

جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اُڑتی
وہ خاک ہمارے لیے دارُوئے شفا ہے

جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرّف
اب تک وہی قبلہ تری اُمّت کا رہا ہے

جس ملک نے پائی تری ہجرت سے سعادت
اب تک سے کشش اُس کی ہر اک دل میں سوا ہے

کیا دیکھیے پیش آئے غلاموں کو ترے کیا
اب تک تو ترے نام پہ اک ایک فدا ہے

ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمھارے
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے

گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ
اپنوں میں انطاجِ لِلی ہم نے سُنا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

خود جان سے کے طالب ہیں عزت کے ہیں خواہاں
پر جس کو ترے دین کی عزت کا سوا ہے

گر دین کو جوکھوں نہیں ذلّت سے ہماری
اُمّت تری ہر حال میں راضی برضا ہے

عزت ہے کہ بہت دیکھ لیں دنیا میں بہاریں
اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلّت میں مزا ہے

ہاں حالیٔ گستاخ نہ بڑھ حدِّ ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اصناف گلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
یاں جنبشِ لب خارج از آہنگِ خطا ہے

(تمام شد)